# 3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

# جمہوریت کا المیہ‘ فوجی قیادت کی آزمایش

پروفیسر خورشید احمد

پاکستان کی فوجی قیادت نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ کو چوتھی بار ملک کی زمام اقتدار سنبھالی اور نواز لیگ کی نام نہاد جمہوری حکومت کو برطرف کر دیا۔ ماضی کی مثالوں کے برعکس‘ اس بار یہ اقدام کسی ایک شخص نے نہیں بلکہ فوج کی پوری قیادت نے اپنے سربراہ کی عدم موجودگی میں انجام دیا اور سابق وزیراعظم کے ایک ایسے اقدام کے ردعمل میں کیا جس نے دستور اور قانون کی روایات کو پارہ پارہ کرنے کے ساتھ ملک کی فوج کو تقسیم کرنے اور خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے کا سامان کر دیا تھا۔ پاکستان کی سلامتی کو ایسا خطرہ اس کی باون سالہ تاریخ میں پہلی بار پیش آیا اور فوجی قیادت نے کمال دانش مندی سے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اور اپنی صفوں کو مضبوط رکھتے ہوئے اس خطرے کا قلع قمع کر دیا‘ الحمدللّٰہ علٰی ذٰلکَ۔

جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ نے‘ جو اس وقت لاہور میں سیاسی حالات پر سوچ بچار کر رہی تھی‘ بڑے نپے تلے انداز میں فوج کے اس اقدام اور درپیش مسائل پر تبصرہ کیا ہے:

”نواز شریف حکومت نے ملک کے تمام اہم دستوری اداروں کو تباہ یا قابو میں کرنے کے بعد ملک کے سب سے بنیادی اور حساس ادارے ”فوج“ کو جس طرح بانٹنے اور اس میں سیاسی دخل اندازی کا خطرناک کھیل شروع کیا تھا‘ وہ بالآخر اپنے المناک منطقی انجام کو پہنچ گیا ہے اور فوج نے نواز لیگ کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو برطرف کر کے اختیارات سنبھال لیے ہیں۔ اس حکومت کی برطرفی پر‘ جس نے اپنی خلاف شریعت اور خلاف دستور کارگزاریوں اور بھارت و امریکہ سے دوستی کے نام پر ملکی سلامتی تک کو داؤ پر لگا دینے‘ اور معاشی بداعمالیوں کے نتیجے میں ملک کو دیوالیہ ہونے کے کنارے پہنچا دینے کے باعث دستوری‘ سیاسی اور اخلاقی طور پر حق حکمرانی کھو دیا تھا‘ ملک نے چین کا سانس لیا ہے۔ تاہم یہ ساری کارروائی جس انداز میں عمل میں آئی ہے‘ اس پر قوم کی تشویش بجا ہوگی۔ فوج کے ادارے کا تحفظ ملکی سلامتی کے لیے ضروری ہے‘ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملک کے نظریے اور عوام کی خواہشات کے مطابق

اسلامی دستوری نظام اور بنیادی حقوق کی حفاظت و احترام اور قانون کی حکمرانی بھی ازبس ضروری ہیں۔

"ان حالات میں جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ جہاں نواز حکومت سے نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے اور اسے اس عوامی تحریک کا حاصل سمجھتی ہے جو پورے ملک میں سرگرم تھی، وہیں اپنی افواج اور ان کی قیادت سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ پوری حکمت اور دانش مندی کے ساتھ اور کسی تاخیر کے بغیر وہ راستہ اختیار کریں گے جس کے نتیجے میں ملک کا دستور، جو اسلام، جمہوریت اور اصول وفاق پر مبنی ہے، اپنی اصل روح کے مطابق موثر رہ سکے۔

"جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ اپنے اس اصولی موقف کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ ملک ماضی میں مارشل لا کے متعدد تجربات کر چکا ہے اور ہمارے مسائل کا حل مارشل لا نہیں۔ اسی طرح جماعت اسلامی یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ آزمائی ہوئی اور کرپٹ سیاسی قیادتوں کے درمیان محض چہرے بدلنے سے ہم مسائل کی اس دلدل سے نہیں نکل سکتے جس میں ان مفاد پرست سیاسی بازی گروں نے ملک و ملت کو دھنسا دیا ہے۔ اسی طرح محض ایسے ٹیکنوکریٹ بھی صحیح قیادت فراہم نہیں کر سکتے، جن کو عوام کی تائید حاصل نہ ہو اور جو ان کے سامنے جواب دہ نہ ہوں۔ فوجی قیادت کو ماضی کے تجربات کی روشنی میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ماضی کے دونوں حکمران خاندان یعنی بھٹو فیملی اور شریف فیملی جنھوں نے فسطائیت اور کرپشن کے سنئے ریکارڈ قائم کیے، مارشل لا ادوار ہی کی پیداوار تھے۔ اگر ایسے ہی کچھ لوگ ایک بار پھر آگے آتے ہیں تو نتائج اور عوامی ردعمل ماضی سے مختلف نہیں ہو سکتا۔

"وقت کی اصل ضرورت ایک ایسی عبوری حکومت ہے جس کی اسلام اور پاکستان سے وفاداری کے ساتھ اہلیت اور بے داغ کردار پر قوم اعتماد کر سکے اور جسے آئینی ذرائع سے اتنا موقع اور میعاد دی جائے کہ وہ تمام حکمرانوں، سیاست دانوں اور اعلیٰ عہدے داروں کا بے لاگ اور کڑا احتساب کر کے سیاسی میدان کو غلاظت سے صاف کر دے۔ نیز نظام انتخاب اور اس کی مشینری کی موثر اصلاح کر دے تاکہ اس کے تحت ایسے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد ہو سکیں جو صحیح معنوں میں رائے عامہ کو منعکس کر سکیں اور ملک کو اس جاگیردار، سرمایہ دار اور مفاد پرست مافیا سے نجات دلا سکیں جو "پیران تسمہ پا" کی طرح اس پر مسلط رہی ہے۔ نیز یہ منتخب نمایندے آئین کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ پر پورے اتریں۔ ملک کے مسائل کا حل اسی وقت ممکن ہے جب ایک ایسی قیادت ابھر سکے جو عوام میں سے ہو، عوام کے سامنے جواب دہ ہو، دستور کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہو اور جسے قوم کا حقیقی اعتماد حاصل ہو۔

"ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ملک کو موجودہ نازک صورت حال سے جلد نکالے اور جو افراد اس وقت ذمہ دار ہیں، انھیں توفیق بخشے کہ عوام کی خواہش کے مطابق، آئین کی روح اور اس کے اصل مقاصد کا احترام کرتے ہوئے، جلد از جلد ایک ایسا عبوری نظام قائم کریں جو مندرجہ بالا اہداف کو حاصل

کر سکے۔ ہم عوام سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسلامی جمہوری نظام کے قیام کے لیے اپنے حقیقی ہدف کے لیے آئین اور قانون کے مطابق اپنی جدوجہد جاری رکھیں تاکہ پاکستان اپنے مقصد وجود کو حاصل کر سکے اور دشمنوں کی تمام چیرہ دستیوں اور سازشوں سے محفوظ رہے"۔

------------------

پوری قوم نے نواز حکومت کی برطرفی اور فوج کی یک جہتی پر جس انداز میں اطمینان کا سانس لیا ہے اور ہر طبقے نے جس طرح اس کی تائید کی ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سابقہ حکومت قوم کا اعتماد مکمل طور پر کھو چکی تھی، اور ملک کے عوام نے فوج کے اس اقدام کو اپنے دل کی آواز سمجھا ہے۔ وہ مغربی صحافی، مبصر اور حکومتیں بھی جو فوجی مداخلت پر نکتہ چین ہیں، یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ پاکستانی قوم نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور قومی سلامتی سے جو خطرناک کھیل سابقہ حکومت کھیل رہی تھی، اس سے اپنی مکمل برأت کا اظہار کر دیا ہے۔

یہ عوامی تائید دراصل نواز حکومت کی اکتیس ماہ پر پھیلی ہوئی کارکردگی کے خلاف ایک عوامی استصواب کی حیثیت رکھتی ہے۔ کارگل کی پسپائی کے بعد جو عوامی ردعمل رونما ہوا تھا اور جو ایک ملک گیر تحریک کی شکل اختیار کر رہا تھا، اسے نواز حکومت نے اپنی ہوس اقتدار اور مہم جوئی (adventurism) کے ذریعے اچانک اور یک لخت (abruptly) ایک نتیجے تک پہنچا دیا جس سے سیاسی منظر یکسر تبدیل ہو گیا۔ فوجی قیادت نے متبادل انتظام قائم کرنے کے لیے جس تذبذب اور تامل کا مظاہرہ کیا، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فوج کا یہ اقدام کسی سوچے سمجھے اور پہلے سے تیار شدہ منصوبے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اسے ایک غیر معمولی صورت حال سے فی الفور سابقہ پیش آیا۔ اب جو ذمہ داری فوجی قیادت نے قبول کر لی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ وہ پورے غور و فکر، بہترین مشورے، ماضی کے تجربات اور درپیش چیلنجوں کی روشنی میں معاملات کو طے کرے۔ جو اہداف چیف ایگزیکٹو نے اپنی دوسری تقریر میں بیان کیے ہیں، وہ بلاشبہ اس وقت قوم کا حقیقی ایجنڈا ہیں لیکن ان تمام چیلنجوں کا فوری حل ممکن نہیں اور نہ فوج کی قیادت سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ان سب معاملات کو چشم زدن میں طے کر دے۔ اس لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ مسائل کا صحیح ادراک ہو، وہیں یہ بھی ازبس ضروری ہے کہ ان کے حل کے لیے مطلوبہ حکمت عملی اور اس پر عمل درآمد کے لیے مناسب نظام کار کا بھی پورا شعور اور اہتمام ہو۔ یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ ان اہداف کو کس نظام الاوقات کے اندر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ غیر معمولی حالات میں ملک و قوم کو بچانے کے لیے سیاسی اور معاشی امور میں فوج کی مداخلت کا جو جواز ہے وہ اس شرط سے مشروط ہے کہ وقتی خرابی کو دور کر کے فوج اپنے اصل کام یعنی ملک کے وفاع میں مصروف ہو جائے اور ان کے بعد نیا سول نظام مسائل کو حل کرنے کا کام انجام دے۔ یہی وجہ ہے کہ دستوری قانون کے ماہرین اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے اس صورت حال کو ہمیشہ وقتی، عارضی اور

محض متبادل نظام کو وجود میں لانے کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اسے دستور کی نفی یا تنقیص نہیں بلکہ وقتی دستوری انحراف (temporary constitutional deviation) کہا ہے۔ فوجی قیادت نے اس رعایت سے دستور کے صرف کچھ حصوں کو معطل کیا ہے اور دستور کے قریب قریب نظام چلانے کا عندیہ دیا ہے۔ ان کا وعدہ ہے کہ بنیادی حقوق، سیاسی سرگرمیاں، صحافت کی آزادی، اور عدالت کا نظام سب دستور کے مطابق موجود رہیں گے، حتیٰ کہ اسمبلیاں اور سینیٹ بھی ختم نہیں ہوئے صرف وقتی طور پر معطل کیے گئے ہیں جس کے باعث وہ معلق رہیں گے۔ ان کی قسمت کا فیصلہ آیندہ حالات کے مطابق ہو گا یعنی ان کو دوبارہ موثر بنا دیا جائے یا نئے انتخاب کے ذریعے نئی اسمبلیاں وجود میں لائی جائیں۔ جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اس کے ذریعے فوری انقلابی اقدامات کا دروازہ کھل جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ دستوری تسلسل باقی رہتا ہے۔ یہ نہایت اہم بات ہے اس لیے کہ دستور کے منسوخ ہو جانے کی صورت میں کامل اتفاق رائے سے نئے دستور کی تیاری کا معاملہ بڑا مشکل اور خطرات سے پُر ہے۔

---

سب سے پہلے جس سوال پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ آخر بار بار جمہوری نظام کیوں ناکام ہو رہا ہے۔ ایک مدت کے بعد ایسے حالات کیوں پیدا ہو جاتے ہیں کہ فوج ریاستی نظام میں دخل اندازی کرتی ہے اور سیاست کی بساط کو لپیٹ کر رکھ دیتی ہے۔ ہماری نگاہ میں جن حالات میں موجودہ فوجی قیادت نے زمام کار سنبھالی ہے وہ کئی پہلوؤں سے منفرد ہیں، لیکن پچھلے ۵۲ برسوں میں جس طرح جمہوری اور فوجی حکومتوں کے درمیان ادل بدل ہوتی رہی ہے، وہ گہرے غوروخوض اور تجزیہ و تحلیل کی متقاضی ہے۔

برعظیم پاکستان اور بھارت کی سیاسی جدوجہد پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ ۱۹۰۶ میں قائم ہوئی، لیکن اسے مسلم عوام کی ایک حقیقی قوت بننے میں بڑا وقت لگا۔ ۱۹۳۶ میں قائداعظم محمد علی جناح نے جب اس کی قیادت سنبھالی تو وہ بڑی حد تک مخصوص طبقات کی نمایندہ تھی۔ قائداعظم کی ان تھک محنت اور بالغانہ قیادت میں مسلم لیگ ایک عوامی قوت بنی اور ۱۹۴۰ میں پاکستان کے مطالبے کی شکل میں اس نے اپنے لیے ایک واضح ہدف کا انتخاب کیا۔ جیسے جیسے قیام پاکستان کی منزل قریب آنے لگی مختلف النوع عناصر نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی لیکن نہ ان میں آپس میں مکمل ہم رنگی اور ہم آہنگی تھی اور نہ عوام سے ان کا وہ رشتہ اور تعلق تھا جو اولیں قیادت نے قائم کیا تھا۔ پاکستان کے قیام کے بعد قائداعظم اور ان کے معتمد علیہ ساتھیوں کو نئی ریاست کی تعمیر اور اس کی ان مقاصد کے مطابق تشکیل نو کا وقت نہ ملا جو نئی بنیادوں پر تعمیر کے لیے ضروری تھا۔ قائداعظم ایک ہی سال میں اپنے رب سے جا ملے اور لیاقت علی خاں کو سازشی عناصر نے میدان سے ہٹا دیا اور ایک انقلاب معکوس کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

چند ہی سال میں زمام اقتدار مسلم عوام کے حقیقی نمایندوں کے ہاتھوں سے نکل کر بیورو کریسی اور مفاد پسند عناصر کے ہاتھوں میں آگئی جنھوں نے حکومتوں کو معطل کرنے' دستور کو توڑنے' پریس کی زبان بندی کرنے' سیفٹی ایکٹ کے نام پر سیاسی آزادیوں کا گلا گھونٹنے اور علاقائی عصبیتوں کو ہوا دینے کا کام کیا۔ دستور کے بننے میں ۹ سال لگے اور پھر اڑھائی سال کے اندر اس دستور کو توڑ کر فوجی آمریت قائم کر دی گئی۔ بیرونی طاقتوں نے' خصوصیت سے امریکہ نے' اس اکھاڑ پچھاڑ میں ایک خاص کردار ادا کیا اور پاکستان کو فوجی معاہدوں اور عالمی استعماری دروبست میں ضم کر لیا۔ تحریک پاکستان کے مخلص کارکن یا تو مسلم لیگ کو چھوڑ گئے اور یا غیر موثر بنا دیے گئے اور قیادت کی باگیں جاگیردار' زمین دار' سرمایہ دار اور سول و ملٹری بیورو کریٹس کے ہاتھوں میں آگئیں۔ یہ وہ "قبضہ گروپ" ہے جس نے مسلم لیگ اور اس کے بطن سے نکلنے والی تمام دوسری سیاسی جماعتوں--- جناح لیگ' عوامی لیگ' ری پبلکن پارٹی' کنونشن لیگ' پیپلز پارٹی' نواز لیگ--- کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہی طبقہ ہے جو چولے بدل بدل کر ملک کی سیاست پر قابض رہا ہے۔

سیاسی محققین کا اندازہ ہے کہ بہ مشکل پانچ سو خاندانوں کے چند ہزار افراد ہیں جو اس نصف صدی میں سیاست ہی نہیں' تجارت' صنعت' بنک کاری' انتظامیہ' پولیس اور فوج پر چھائے رہے ہیں۔ اس طرح جمہوریت خاندانی سیاست اور مبنی بر مفاد حکمرانی کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ سیاسی جماعتوں نے عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا لیکن ان کی بنیاد پر اوپر سے نیچے تک کوئی سیاسی تنظیم قائم نہیں کی جس میں ہر ایک کی شرکت اور مقام ہو اور جو مشاورت اور احتساب کے کسی نظام کار کی بنیاد پر کام کرے۔ یہ وہ بنیادی خرابی ہے جس نے ملک کو جمہوری کلچر سے محروم رکھا ہے اور سیاست اور حکومت چند خاندانوں اور مفاد پرستوں کی آماجگاہ بنے رہے ہیں۔ انتظامی مشینری' پولیس' عدالت حتیٰ کہ فوج تک کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور قانون کی حکمرانی' مشورے کا نظام' اور جواب دہی اور احتساب' جو جمہوریت کی روح ہیں' ان سے ہمارا نظام محروم رہا ہے۔ دستور اگر بن بھی گیا تو دستور کا احترام مفقود رہا' گویا پابندی دستور (constitutionalism) کی روایت قائم نہ ہو سکی۔

سیاسی عمل کے اس بگاڑ کے ساتھ ساتھ بگاڑ کا دوسرا سبب اس مقصد اور وژن سے انحراف اور غداری ہے جو پاکستان کی محرک قوت تھا۔

پاکستان محض ایک علاقے کا نام نہیں' ایک نظریے اور ایک تصور حیات کی علامت ہے۔ برعظیم کے مسلمانوں نے یہ عظیم جدوجہد اپنے دین کے احیا اور اپنے ایمان' اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مطابق نئی زندگی کی تشکیل کے لیے کی تھی۔ قائداعظم نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہماری اصل منزل اسلام کے مطابق نظام زندگی کا قیام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برعظیم کے وہ مسلمان جن کو پاکستان کی ہوا بھی لگنے کا کوئی امکان نہ تھا' انھوں نے بھی اس مقصد کے لیے اپنی جانیں دیں کہ اسلام کو ایک مرکز اور مسکن میسر آجائے

اور اس طرح برعظیم میں مسلمانوں کے احیاے نو کا سامان ہو جائے۔ اسلام ہی وہ جذبہ فراہم کرتا ہے جس سے یہ قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے اور اگر یہ رشتہ کمزور ہو جائے تو پھر تقسیم در تقسیم کے عمل سے ملت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے۔

اسلام اور جمہوریت ہی وہ محرک تھے جن سے تحریک آزادی کی آبیاری ہوئی اور یہی وہ منزل مقصود تھی جس کی لگن' پاکستان کو ترقی کی اعلیٰ ترین منزلوں سے ہم کنار کر سکتی تھی۔ آج بھی جب ہم ۵۲ سال کے بعد' اور اپنے آدھے جسم کو کھو دینے کے بعد' اپنے مستقبل پر غور کر رہے ہیں تو ہمیں اس امر کے ادراک کی ضرورت ہے کہ اسلام اور حقیقی جمہوریت کے سوا کوئی چیز اس ملک کے بقا اور ترقی کی ضامن نہیں ہو سکتی۔

جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کے بعد اپنی ساری جدوجہد کو اسلام کے عالمی پیغام کی دعوت کے ساتھ انھی دو اہداف کے حصول کے لیے وقف کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۶۲ء میں پہلے مارشل لا کے اٹھتے ہی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہوئے قوم کو جن اصولوں کی دعوت دی وہ' وہ مستقل اساس اور نظام فراہم کرتے ہیں جن پر پاکستان کے وجود اور ترقی کا انحصار ہے۔ مولانا نے فرمایا:

"ایک ملک کے نظام کو چلانے کے لیے انصاف اور معقولیت کے فطری اصولوں کو چھوڑ کر جب کام کیا جاتا ہے تو اس سے کس طرح غلطیوں پر غلطیاں سرزد ہوتی ہیں' ٹھوکروں پر ٹھوکریں لگتی چلی جاتی ہیں اور بالآخر ملک کس انجام کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر میں صاف صاف کہتا ہوں کہ جب تک اس ملک میں جمہوری نظام بالکل صحیح' فطری اور معقول اصولوں پر قائم نہیں ہوتا' اس وقت تک اس ملک کی خیر نہیں ہے۔ اگر ہم یہ غلطی نہیں کرنا چاہتے کہ ڈیڑھ دو سو برس کی غلامی کے بعد جو آزاد مملکت خدا نے ہمیں بخشی ہے' اسے اپنے ہاتھوں برباد کر کے پھر کسی عذاب کو اپنے اوپر دعوت دیں' تو ہمیں سیدھی طرح یہ اصول مان لینے چاہییں کہ:

۱۔ ملک باشندوں کا ہے' کسی شخص یا گروہ یا برادری کا نہیں ہے' اس لیے اس کا نظام باشندوں کی مرضی سے ہی بننا اور چلنا چاہیے۔

۲۔ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جن کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے اپنا نمایندہ منتخب کریں۔

۳۔ انتخاب وہی صحیح ہے جس میں ملک کے ہر بالغ شخص کو براہ راست رائے دہی کا حق ہو۔ بالواسطہ انتخاب جمہوریت نہیں بلکہ آمریت چلانے کا آلہ ہوتا ہے۔

۴۔ جس انتخاب میں دھن' دھونس' دھاندلی اور انتظامی افسروں کی مداخلت سے کام لیا جائے وہ سرے سے کوئی انتخاب ہی نہیں ہے اور قوم کو ایسے انتخاب میں رائے دہی کا حق حاصل ہونا' یا نہ

ہونا بالکل یکساں ہے۔

۵۔ ملازمین حکومت، خواہ وہ فوجی ہوں یا سول، ان کا کام خود حکومت کرنا نہیں ہے بلکہ عوام کے نمایندوں کے تحت حکومت کا انتظام کرنا ہے۔

۶۔ ملک کے نمایندوں کی جو پارلیمنٹ یا اسمبلی ہو، تمام اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہونے چاہییں، کوئی شخص بھی اس پر جج بنا کر نہ بٹھایا جانا چاہیے۔

۷۔ ملک کے نظام کا صحیح طریقے سے چلنا اس پر منحصر ہے کہ ملک میں پریس آزاد ہو، خبر رسانی اور نشرواشاعت کے ذرائع پر کسی طرح کا بے جا کنٹرول نہ ہو، لوگ اپنے ملک کے حالات سے ٹھیک ٹھیک باخبر رکھے جائیں، اور انھیں ہر نقطۂ نظر سننے اور آزادی کے ساتھ بحث مباحثہ کر کے رائے قائم کرنے کے پورے مواقع حاصل ہوں۔

۸۔ ملک کا نظام اس نظریے پر قائم ہونا چاہیے جسے ملک کے باشندوں کی اکثریت قبول کرتی ہو، مگر جن نظریات کے لوگوں کی اقلیت ہو، انھیں اس امر کے پورے مواقع حاصل رہنے چاہییں کہ وہ رائے عام کی تائید حاصل کر کے برسراقتدار آسکیں، اور کبھی ایسے حالات پیدا نہ ہونے چاہییں کہ کسی خیال کے لوگ تبدیلی نظام کے لیے غیر آئینی راستے تلاش کرنے لگیں۔

آج پاکستان ایک بار پھر مستقبل کی سیاسی شاہ راہ کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کیا ہر مخلص، صاحب نظر کا دل گواہی نہیں دے گا کہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر ہم اپنے گھر کی صحیح تعمیر کر سکتے ہیں۔

---

جمہوریت کی ان اصولی اور حقیقی بنیادوں کی بات نامکمل رہے گی اگر ایک پہلو کی ذرا کھل کر وضاحت نہ کر دی جائے۔

روح قانون کی حکمرانی، تمام شہریوں کی مساوات اور ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت، عدلیہ کی آزادی اور توازن اختیارات کے نظام کے احترام کا نام ہے۔ یہی وہ فریم ورک ہے جس میں رائے عامہ کی مرضی سے حکومت کا بننا اور بدلنا اور ہر سطح پر جواب دہی کے موثر نظام کی موجودگی--- یعنی پارلیمنٹ، عدلیہ اور عوام کی عدالت بہ صورت انتخابات--- صحت مند جمہوری نظام کی ضمانت دیتے ہیں۔ سول انتظامیہ اور فوج کا سیاست میں ملوث نہ ہونا اور اپنے اپنے فرائض انجام دینے کے لیے مستعد رہنا بھی اس کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ہی جمہوری عمل کو موثر اور ثمرآور بناتے ہیں۔

اگر اوپر بیان کیے گئے اصولوں کا احترام نہ ہو تو محض انتخابی ڈرامے سے وجود میں آنے والے اقتدار کو جمہوری نہیں کہا جا سکتا۔ بلاشبہ انتخابات موجودہ دور میں جمہوریت کا ایک اہم ستون اور اس کی نمایاں علامت ہیں لیکن خود انتخابی نظام کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ موثر، غیر جانب دار اور شفاف ہو اور اس

سے وہ مقاصد حاصل کیے جا سکیں جن کے لیے وہ مرتب کیا گیا ہے۔ پاکستانی جمہوریت کا المیہ ہے کہ یہاں ایک مدت تک تو قومی انتخابات منعقد ہی نہ ہوئے (یعنی ۱۹۷۰ تک--- پورے ۲۳ سال) اور جب انتخابات کا سلسلہ شروع ہوا تو پورے نظام کو اس طرح بگاڑ دیا گیا کہ وہ عملاً رائے عامہ کے اظہار کا نہیں' اسے غیر موثر بنانے کا ذریعہ بن گئے۔ انتخابات میں دھن' دھونس اور دھاندلی کا بول بالا ہوتا ہے۔ ووٹروں کی فہرست سے رائے دینے کے عمل تک ہر چیز پر سیاسی اور معاشی مافیا کا قبضہ ہے' جو اپنی مرضی کے مطابق سارے معاملات طے کرا لیتا ہے۔ سرکاری مشینری کی مداخلت اس پر مستزاد ہے۔ پھر خود برطانوی طرز کی واحد نمایندہ والے حلقہ انتخاب (constituencey) کا نظام اتنا خام اور ناکارہ ہے کہ اس کے ذریعے کبھی بھی پارلیمنٹ فورم کی حقیقی رائے کی عکاسی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے جدید دنیا کے ۲۷ ممالک میں متناسب نمایندگی کا نظام رائج کیا گیا ہے جس کے ذریعے پارلیمنٹ کو رائے عامہ کا زیادہ سے زیادہ آئینہ دار بنایا جا سکتا ہے۔ خود انگلستان میں اب اس نظام کے جزوی طور پر اجرا پر بحث ہو رہی ہے اور ۱۹۹۹ کے یورپی پارلیمنٹ کے انتخابات پوری مملکت برطانیہ میں متناسب نمایندگی کے اصول پر منعقد کیے گئے ہیں۔

جمہوری نظام کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ نظام انتخابات میں بنیادی اصلاحات کی جائیں۔ متناسب نمایندگی کے اصول کو کلی یا کم از کم ۵۰ فی صد نشستوں کے لیے اپنایا جائے۔ الیکشن کمیشن مکمل طور پر آزاد ہو اور حکومت اور حزب اختلاف کے مشورے سے اس کا تقرر ہو۔ ووٹروں کی فہرستیں ایمان داری سے بنائی جائیں اور ہر چھ ماہ پر نئے اندراجات کیے جاتے رہیں۔ ووٹر کے شناختی کارڈ میں تصویر یا دستخط / انگوٹھے کا نشان لازمی ہو۔ سارا نظام کمپیوٹر کے ذریعے روبہ عمل لایا جائے۔ دستور کی دفعہ ۶۲-۶۳ کو' جو اتنی ہی اہم ہیں' جتنی الیکشن کے سلسلے کی دوسری دفعات' عملاً موثر بنایا جائے۔ جمہوری نظام کے بگاڑ کا ایک بہت بڑا سبب ہمارے نظام انتخاب کی خامی اور بگاڑ ہے اور اس کی اصلاح کے بغیر باقی نظام کی اصلاح ممکن نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہٹلر' مسولینی' اسٹالن' ٹیٹو' اور خود تیسری دنیا' عرب اور مسلمان ممالک کے بہت سے حکمران ۹۰ اور ۹۸ فی صد ووٹ لے کر اقتدار پر براجمان ہوئے ہیں مگر ان کے اس نوعیت کے انتخابات کو کسی نے جمہوری عمل نہیں مانا۔ ہمارے ملک کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ یہاں کا انتخابی نظام عوام کی نمایندگی کو حقیقی بنانے میں ناکام رہا ہے اور ملک جمہوری قیادت سے محروم رہا ہے۔

-------------------

ان اصولی گزارشات کے بعد ہم اختصار سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ملک کی پوری سیاسی تاریخ میں اور خصوصیت سے ۱۹۸۵ کے بعد نئے جمہوری دور کے آغاز کے بعد وجود میں آنے والی تمام اسمبلیوں اور حکومتوں نے ان جمہوری بنیادوں کو بڑی بے دردی سے پامال کیا اور جمہوریت کے نام پر ذاتی اور خاندانی بادشاہت قائم کرنے' عوام کے حقوق کو نظرانداز کرنے' قومی مصالح اور عزائم سے بے وفائی برتنے'

دستوری اداروں کو غیر مستحکم کرنے اور قومی دولت کو بے دریغ لوٹنے میں اپنی ساری قوتیں صرف کر دیں۔ یہاں صحیح بنیادوں پر ایک اسلامی اور فلاحی معاشرہ قائم کرنے اور جمہوریت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی کوئی کوشش نہ ہوئی۔ خاص طور پر دونوں بڑی پارٹیاں یعنی نواز مسلم لیگ اور بے نظیر کی پیپلز پارٹی' ایک ہی حکمت عملی پر کام کرتی رہیں۔ ان میں قوت کا ارتکاز ایک خاندان میں واقع ہوا جس نے ملک کے سیاہ و سپید کا مالک بننے کی کوشش کی۔ دونوں خاندان مارشل لا کے ادوار کی پیداوار ہیں اور دونوں ہی نے جمہوریت کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دستور کا حلیہ بگاڑ دیا گیا اور اس میں جو توازن قوت تھا اسے درہم برہم کر دیا گیا۔ دستور اور قانون کے مطابق حکمرانی ان کی سرشت ہی میں نہیں تھی۔ ذاتی وفاداری کی بنیاد پر پورا نظام قائم کیا گیا۔ ہر ادارے کی آزادی اور تقدس کو پامال کیا۔ مالی بدعنوانی کے باب میں ہر ایک نے دوسرے سے بڑھ کر ریکارڈ قائم کیا اور پوری قوم بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی' قرض کی غلامی میں جکڑ کر داو عیش دی۔ دونوں نے اربوں روپے کی مالیت سے ملک میں اور ملک کے باہر محلات تعمیر کیے اور معاشی ایمپائرز قائم کیں۔ نام نہاد جمہوری عناصر کا یہی وہ کردار ہے جس نے عوام کے اعتماد کو پارہ پارہ کر دیا' ان کو مایوسی کی لپیٹ میں لے لیا اور نوبت بڑے پیمانے پر خودکشی اور خود سوزی تک پہنچ گئی۔

ان نام نہاد جمہوری قیادتوں نے جو ظلم ملک و ملت پر کیا وہ صرف بیرونی قرضوں کی غلامی ہی تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انھوں نے ملک کے معاملات میں بیرونی قوتوں کو عملاً اتنا دخیل کر دیا کہ پاکستان کی آزادی اور سلامتی معرض خطر میں آ گئی۔ شریف خاندان ہو یا بے نظیر خاندان' دونوں نے امریکہ اور بھارت کی قیادتوں سے ایسے رشتے استوار کیے جو ملک کی آزادی' غیرت اور سلامتی کے منافی تھے۔ ایک امریکی مبصر نے بڑے تلخ انداز کے ساتھ لکھا ہے کہ بھارت کی قیادت نے اپنے اقتدار کی مدت بڑھانے کے لیے کبھی واشنگٹن کے چکر نہیں لگائے لیکن پاکستان کی ہر قیادت اپنے لیے پروانہ حیات حاصل کرنے کے لیے واشنگٹن کا طواف کرتی ہے۔ بے نظیر نے راجیو سے لے کر بش اور کلنٹن تک اور نواز شریف اور ان کے برادر خورد اور آئی ایس آئی کے سربراہ خواجہ ضیاالدین نے جس طرح واشنگٹن سے اقتدار کی بھیک مانگی اور امریکہ کو ہمارے داخلی معاملات میں دراندازی کی دعوت دی' وہ قومی غیرت کے منافی ہی نہیں بلکہ ملک و ملت کی سلامتی پر ضرب کاری اور ہر اعتبار سے غداری (high treason) کے مترادف ہے۔ اگر بے نظیر نے نصرت بھٹو کے اشارے پر راجیو گاندھی سے خود اپنی فوج کے مقابلے میں مدد کی درخواست کی تھی تو نواز شریف اور ان کے طائفے نے کلنٹن اور اس کی انتظامیہ سے اپنے اقتدار کے تحفظ کی بھیک مانگی۔ اس سلسلے میں ریکارڈ کی خاطر چند شواہد کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

۱۔ نواز شریف اور شہباز شریف نے سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں اور نیوکلیر پروگرام کو بتدریج ختم کر دینے کا وعدہ کیا۔ اس معاملے کو بھارت سے دستخطوں اور کشمیر کی آزادی کے مسائل سے منقطع

(delink) کیا اور امریکہ سے فوج پر دباؤ کی درخواست کی۔

۲- بھارت سے ہر قیمت پر دوستی، تجارت اور اس کی علاقائی بالادستی تسلیم کرنے کو قبول کر لیا اور اس کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔

۳- اسلامی احیا کی تحریکوں کے خلاف امریکہ کی عالمی مہم میں بہ خوشی شریک ہو گئے اور مسلمان تحریکوں اور خصوصیت سے جہادی تحریکوں کو "تشدد" کے نام پر قابو کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہو گئے۔ اس سلسلے میں طالبان کو، جن کی حکومت کو سب سے پہلے پاکستان نے تسلیم کیا تھا، خصوصیت سے نشانہ بنایا اور دونوں بھائیوں نے ان کے خلاف اشتعال انگیز زبان استعمال کی۔

۴- کشمیر کے مسئلے پر بھارت سے سمجھوتے کے لیے کھلی اور خفیہ سفارت کاری کی، کارگل سے پسپائی کی شکل میں پاکستان اور تحریک جہاد کشمیر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

۵- امریکہ اور بھارت دونوں کی نگاہ میں پاکستان کی فوج کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ اگر بھارت نے پاکستان کی فوج کو "غنڈا فوج" (rogue army) قرار دے کر ساری دنیا میں پروپیگنڈا کیا، تو نواز حکومت اور اس کے حواریوں نے کارگل کا ملبہ فوج پر ڈالنے، فوج میں اندرونی خلفشار پیدا کرنے، اور فوج میں اپنی پسند کے لوگ مسلط کرنے کا کھیل کھیلا۔ آئی ایس آئی کے سربراہ خواجہ ضیا الدین نے صرف سی آئی اے ہی نہیں، امریکہ کی پوری قیادت کو اپنی ہی فوج کے بنیاد پرست رجحانات سے مطلع کیا اور ان کے مقابلے میں "لبرل" عناصر کی مدد کی دعوت دی۔

ایک جملے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قیادت نے پاکستان اور اس کے نظریے سے غداری کرتے ہوئے امریکہ کے عالمی نظام کا آلہ کار بننے اور بھارت کے آگے گھٹنے ٹیک کر ذاتی مفادات حاصل کرنے کا کھیل کھیلا۔ یہی وجہ ہے امریکہ اور بھارت نے اس ٹولے کو اقتدار میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور جب ان کا اقتدار ختم ہو گیا تو جہاں قوم نے اللہ کا شکر ادا کیا وہاں ان حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (اٰل عمرٰن ۳: ۵۴) ایک چال انھوں نے چلی اور اس کے برعکس اللہ نے اپنی تدبیر کی اور بے شک اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

بھارت کے سابق خارجہ سیکریٹری جے این ڈکسٹ (J.N. Dixit) اور سابق سیکورٹی ایڈوائزر این این ووہرا (N.N. Vohra) نے تقریباً ایک مہینے کا امریکہ کا دورہ کیا جس میں ان کے مرکزی اہداف کشمیر کے مسئلے پر لائن آف کنٹرول کو مستقل کرنا اور نواز شریف کی حکومت کے بقا و استحکام تھے۔ ڈان کے نمایندے شاہین صہبائی کی رپورٹ ملاحظہ ہو:

جے این ڈکسٹ اور ایم این دہرہ نے کہا کہ "بھارت وزیراعظم نواز شریف کو اقتدار میں رکھنے کے لیے دنیا کی کسی بھی چیز کی پیش کش کر سکتا ہے، اس لیے کہ متبادل طور پر بنیاد پرست طالبان طرز کی

حکومت قائم ہو سکتی ہے"--- "اگر ہمارے مفادات متاثر نہ ہوں تو ہم انھیں ساری دنیا دینے کے لیے تیار ہیں"۔ انھوں نے واضح طور پر اس عندیہ کا اظہار کیا کہ بھارت لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے۔

کشمیر کے مسئلے پر بھارت کے موقف کو دو ٹوک الفاظ میں ان دونوں نے یوں بیان کیا:

> بھارت تقسیم کے ایک عمل سے گزرا ہے، دوسرا نہیں چاہتا۔ پاکستان نے دو دفعہ تقسیم دیکھی ہے۔ یہ قبول کر کے کہ کشمیر بھارت سے علیحدہ ہو سکتا ہے، ہم کسی نئی تقسیم کے جراثیم پرورش پانے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے (ڈان، ۶ اگست ۱۹۹۹)۔

شہباز شریف امریکہ کی پشت پناہی کے حصول اور تمام اہم امور پر مکمل تابع داری کا یقین دلانے کے لیے واشنگٹن گئے اور برق رفتاری سے سارے معاملات طے کیے جس کی تفصیل نیر زیدی اور شاہین صہبائی کے مضامین میں آگئی ہے۔ سارا کھیل امریکہ کو بنیاد پرستی کا ہوّا دکھا کر اپنی تائید کے لیے تیار کرنا تھا۔ شاہین صہبائی لکھتا ہے:

> امریکہ کو خدشہ ہے کہ نواز کے بعد بنیاد پرست اور "جہادی" حکومت سنبھال لیں گے اور اس صورت میں انھیں کچھ پتا نہیں ہو گا کہ نیوکلیر بٹن پر کس کا ہاتھ ہے Damage Control by Junior Sharif ڈان ۱۰ ستمبر ۱۹۹۹)۔

نواز شریف اور شہباز ہی نہیں، بے نظیر اور دوسرے قائدین حزب اختلاف بھی اپنی اطاعت گزاری کا یقین دلانے کے لیے واشنگٹن کے چکر لگاتے رہے۔ لیکن امریکہ نے اپنا وزن نواز شریف کے پلڑے میں ڈالا اور اسے اپنے مقاصد کے لیے سب سے زیادہ مفید پایا۔

نواز شریف کے محرم راز، آئی ایس آئی کے سربراہ خواجہ ضیا الدین بٹ کا کارنامہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔ نمایندہ ڈان رقم طراز ہے:

> آئی ایس آئی کے سربراہ نے کانگریس کی کلیدی انٹیلی جنس کمیٹی کو پاکستان میں مذہبی انتہاپسندی کے خطرے سے آگاہ کیا۔ کانگریس کے ذرائع نے ڈان کو بتایا کہ آئی ایس آئی کے سربراہ نے انٹیلی جنس کمیٹی کے سامنے جو تصویر پیش کی ہے وہ بڑی پریشان کن اور ڈراؤنی تھی جس سے متاثر ہو کر بہت سے ممبروں نے امریکہ کی پاکستان میں فوجی انقلاب کے خلاف کھلی وارننگ کی حمایت کی ہے۔ ان ذرائع نے کہا کہ بنیادی طور پر امریکہ کو فوجی انقلاب سے پریشانی نہیں ہے لیکن وہ پاکستانی فوج کے بنیاد پرست اسلامی انقلابیوں کے اقتدار سنبھالنے سے خائف ہے۔ سفارتی مبصروں کا کہنا ہے کہ امریکہ فوجی آمریتوں کے ساتھ دنیا بھر میں ٹھیک ٹھاک چلتا رہا ہے لیکن اس وقت تک جب تک کہ وہ امریکہ کے طرف دار رہیں (ڈان، ۲۶ ستمبر ۱۹۹۹)۔

اس پس منظر میں امریکہ کی پاکستانی فوج کے کسی اقدام کے خلاف وارننگ اور ۱۲ اکتوبر کے فوجی ایکشن پر اس کے غم و غصے کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اطلاعات ہیں کہ انھی ملاقاتوں میں امریکہ سے یہ اجازت (clearance) بھی حاصل کر لی گئی تھی کہ جنرل پرویز مشرف کی چھٹی کر دی جائے اور جنرل ضیا الدین کو فوج کی کمان سونپ دی جائے۔

امریکہ کی سیاسی قیادت اب اپنے رویے کی پردہ پوشی کر رہی ہے لیکن اس کا اولیں ردعمل اور دھمکیاں ہی اس کا حقیقی چہرہ ہے۔ کلنٹن، میڈیم البرائٹ، وزارت خارجہ کے ترجمان رابن سب ہی نے بڑے تلخ انداز میں فوجی اقدام کی مخالفت کی اور سول حکومت کی بحالی کے احکام جاری کیے، معاشی اور دوسری پابندیوں کی دھمکیاں دیں اور مغربی اقوام اور دولت مشترکہ کے نمایندوں نے بھی اسی انداز میں بات کی۔ نیویارک ٹائمز نے تو سب سے آگے بڑھ کر اپنے ۱۳ اکتوبر ۹۹ کے اداریے میں نہ صرف اس اقدام کو خطرناک (dangerous) اور خطرے کی گھنٹی (cause of alarm) قرار دیا، بلکہ فرمان جاری کیا کہ:

> امریکہ اور دوسری قوموں کو مطالبہ کرنا چاہیے کہ فوجی جنرل مسٹر شریف کے تحفظ کی ضمانت دیں، ان کو اقتدار پر بحال کریں اور پاکستان میں آزادیوں کا احترام کریں۔

اگر پاکستانی قوم کے پاس نواز حکومت کی پاکستان کے مفادات سے غداری اور امریکہ اور بھارت سے گٹھ جوڑ کا کوئی اور ثبوت نہ ہو تو بھی یہ تمام شواہد صحیح نتائج نکالنے کے لیے کافی تھے۔

---

آج پاکستانی قوم کے سامنے اصل چیلنج ہی یہ ہے کہ وہ اپنی آزادی، اپنے نظریے اور اپنی قومی سلامتی کا تحفظ اپنے ہاتھوں کرنے کی صلاحیت اور طاقت کی حفاظت کرتی ہے یا محض چند ڈالروں کی خاطر یا بیرونی اقوام کی گیدڑ بھبھکیوں سے مرعوب ہو کر اپنی قسمت آپ بنانے کے اختیار سے دست کش ہو جاتی ہے۔ قوم نے فوجی اقدام کا جس طرح استقبال کیا ہے، وہ یہ امید دلاتا ہے کہ پاکستانی قوم کسی قیمت پر اپنی آزادی اور اپنے نظریے پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔ فوجی قیادت کا یہ پہلو کہ جنرل مشرف پہلے فوجی سربراہ ہیں جن کی عسکری تربیت امریکہ میں نہیں ہوئی اور جو پاکستانیت کی علامت ہیں، اس اعتماد کو مزید تقویت دیتا ہے۔ لیکن جتنا بیرونی دباؤ ہے اس کی روشنی میں یہ وارننگ دینا بھی ضروری ہے کہ حکمت و دانائی کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹ جانا ہی وقت کا تقاضا اور ملت پاکستان کی آرزو اور عزم ہے۔ امریکہ سے دوستی بجا، لیکن اس کی محکومی کسی قیمت پر گوارا نہیں، اور یہ فیصلہ اب اور آج ہو جانا ہے اور اس پر استقامت کے ساتھ جم جانا ہی آزادی اور عزت کا راستہ ہے۔

---

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند لمحے اس امر پر بھی غور کر لیا جائے کہ امریکہ کو "جمہوریت" اور "فوجی

حکومت سے وحشت" کا یہ مروڑ اس شدت سے کیوں اٹھا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں امریکہ کا اپنا ریکارڈ آنکھیں کھول دینے والا ہے۔

یو این او کے چارٹر کا ایک بنیادی اصول بلکہ وہ بنیاد جس پر یہ چارٹر قائم ہے آزاد اور خود مختار (sovereign) ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت ہے۔ یہ ہر ملک اور قوم کا اپنا کام ہے کہ کن اصولوں اور اقدار کے مطابق اپنا سیاسی' معاشی اور تہذیبی نظام قائم کریں۔ دنیا میں نظریات' تہذیب و تمدن' مذاہب اور ثقافت کے اعتبار سے تنوع اور تکثیر (plurality) پائی جاتی ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک اپنے نظریات' اقدار اور اصولوں کے مطابق اپنے معاملات کو طے کرے۔ اس میں بیرونی مداخلت کا کسی کو حق نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیرونی مداخلت ہی سامراجیت اور امپریلزم کی بنیاد اور اس کا مظہر ہیں۔ ایک بین الاقوامی قانون کا ماہر تیسری دنیا کے جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

ایشیا افریقہ کی نئی ریاستوں میں فوجی مداخلت کی غیر مقبولیت کا سبب دو بڑی طاقتوں کا رویہ نہیں ہے۔ ان کی مخالفت دراصل مداخلت کے تصور کے خلاف ہے اس لیے کہ اس میں ریاست کی heirarchy کا اس اصول سے بنیادی تضاد مضمر ہے کہ تمام آزاد ریاستیں قانوناً برابر اور خود مختار ہیں۔ سابق نوآبادیاتی ریاستیں خاص طور پر ایسے ادارے کی مزاحمت کرتی ہیں جو عالمی نظام میں بڑی طاقتوں کو خصوصی حقوق دیتے ہیں۔ بہت سی غیر وابستہ ریاستوں کو مداخلت میں استعماریت اور نئی نوآبادیت کی بو آتی ہے۔

(Adrian Guelke, "Force Intervention and Internal Conflict", in The Use of Force in International Relation ed. by F.S. Northedge, Faber and Feber, London, 1974, p 120

اس اصولی بات کے ساتھ ساتھ امریکہ اور مغربی اقوام کے دوغلے کردار کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ انھیں جمہوریت اور بنیادی حقوق اس وقت یاد نہیں آتے جب ان کی منظور نظر اور تابع مہمل حکومتیں جمہوری اقدار کو پامال کرتی ہیں' انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کرتی ہیں' عوام کی آزادیوں کا گلا گھونٹتی ہیں' اختلاف کو برداشت نہیں کرتیں اور ریاستی قوت کو اپنے ہی لوگوں کے خلاف بے دردی سے استعمال کرتی ہیں۔ لیکن جب کسی علاقے میں امریکہ اور مغربی اقوام کے مفاد پر ضرب پڑتی ہے تو پھر جمہوریت کی محبت جاگ اٹھتی ہے اور فوجی حکومتوں کی مذمت اور ان پر معاشی اور دوسری پابندیوں کی بات شروع ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں کی نگاہ عالمی حالات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ بیسویں صدی میں فوجی انقلاب برپا کرنے میں خود امریکہ نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۱۷ سے پہلے جو ملک آزاد تھے ان میں سے ۱۹ میں اس صدی میں فوجی انقلابات آئے اور جو ۲۸ ریاستیں ۱۹۱۷ اور ۱۹۵۵ کے درمیان آزاد ہوئیں ان میں سے ۱۳ میں فوجی انقلاب

آئے اور ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن کے پیچھے امریکہ اور مغربی اقوام تھیں (ملاحظہ ہو: S.E. Finer: The Man on Horseback, London 1968)۔

سی آئی اے کے اعلیٰ افسر مائلز کوپ لینڈ کی کتاب The Game of Nations (نیویارک، ۱۹۶۹) گواہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں شام سے مصر تک فوجی انقلابات میں امریکہ نے کیا کردار ادا کیا اور کس طرح خود امریکی مفکرین نے فوج کو جدید کاری کے عامل (modernising agent) کے طور پر پیش کیا۔ امریکی وزارت دفاع اور سی آئی اے نے باقاعدہ یہ فلسفہ تراشا کہ اشتراکی انقلاب کا مقابلہ کرنے کے لیے "مغرب دوست فوجی انقلابات" لانا ضروری ہے۔ اسی فلسفے کے مطابق تین دہائیوں تک کھل کر فوجی حکمرانوں کی پشت پناہی، مدد اور تکریم ہوتی رہی۔ آج بھی جو جابر بادشاہ یا ظالم حکمران امریکہ کے ہم نوا ہیں ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ سارے کیڑے وہیں پائے جاتے ہیں جہاں امریکہ کو اپنے مفاد پر ضرب لگتی نظر آئے۔ شاہ ایران، صدام، حسنی مبارک، سوہارتو، مارکوس اور دسیوں ایسے حکمران برسوں امریکہ کے سہارے براجمان رہے اور جب ان سے کام لے لیا گیا تو وہ آمر اور جمہوریت کے قاتل بن گئے اور امریکہ جمہوریت دوست!

خود پاکستان میں جنرل محمد ایوب کے فوجی انقلاب کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا؟ جنرل یحییٰ کے سلسلے میں تو یہ تاریخی شہادت تک موجود ہے کہ فوج نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو زمام کار سنبھالی، لیکن امریکہ نے ۲۴ مارچ ہی کو سرکاری طور پر آغا محمد یحییٰ خاں کو نئی ذمہ داری سنبھالنے پر پیشگی مبارک باد دے دی (ملاحظہ ہو: جنرل محمد یحییٰ خاں، شخصیت و کردار، از منیر احمد، تخلیقات، لاہور، ص ۵۹)۔

تشدد، قوت کا استعمال، عدم رواداری اور بنیاد پرستی پر بڑا واویلا ہے لیکن ان سب کے باب میں خود امریکہ کا کردار کیا رہا ہے اور ہے، ایک کھلی کتاب ہے۔ امریکی سیکریٹری آف اسٹیٹ کو سرکاری طور پر کمیٹی برائے اہل کاران خارجہ امور نے جو رپورٹ دی ہے اور جو نئی سفارت کاری کی بنیاد ہے، اس میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے:

> اپنے بین الاقوامی اہداف کے حصول کے لیے ہم نے ایسے آلات کا اسلحہ خانہ (arsenal) تیار کر لیا ہے جو اتنے متنوع ہیں کہ پہلے کبھی نہ تھے۔ ان میں یہ شامل ہیں: روایتی سفارت کاری کے تمام طریقے، بین الاقوامی قانون، خفیہ سرگرمی، سیاسی اقدام، ٹیکنیکل امداد، اقتصادی امداد کی مختلف شکلیں، فوجی امدادی پروگرام، ابلاغی اور نفسیاتی پروگرام، تعلیمی تبادلے، کلچرل پروگرام اور اب حال ہی میں بغاوت کی تحریکوں کے مقابلے کے لیے اقدامات۔ ان میں سے بیشتر سفارت کاری کی پرانی تعریف کی حدود میں نہیں آتے ہیں لیکن اب ان سب کو حکومت امریکہ کے پروگراموں کا حقیقی یا امکانی عنصر سمجھنا چاہیے۔ یہ سب مل کر وہ چیز بنتی ہے جسے نئی سفارت کاری کہا جاتا ہے۔

(Personnel for the New Diplomacy، ۱۹۶۲، ص ۱-۸)

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں تمام ہی مغربی اقوام اور خصوصیت سے امریکہ نے دوسرے ممالک میں مداخلت، ناپسندیدہ حکومتوں کو عدم استحکام کا نشانہ بنانے اور دوسری کھلی اور خفیہ سرگرمیوں (covert activities) کے ذریعے اپنی خارجہ پالیسی کو آگے بڑھانے کا کام کیا۔ سینیٹر فرینک چرچ (Senator Frank Church) نے جو سینیٹ کی سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس کے سربراہ تھے، امریکہ کی خفیہ اور تخریبی سرگرمیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

جب ہمیں گوئٹے مالا کی حکومت کے بائیں بازو کے رجحانات ناگوار ہوئے، ہم نے اس کا تختہ الٹوا دیا۔ ہم نے انڈونیشیا میں سوئیکارنو کے خلاف خانہ جنگی کا شعلہ بھڑکانے کی کوشش کی۔ جب مصدق نے ایرانی تیل پر برٹش پٹرولیم کی اجارہ داری توڑی تو ہم نے شاہ کو اس کے تخت پر بحال کرنے کے لیے مداخلت کی۔ ہم نے کیوبا میں جلاوطن افراد کی فوج بے آف پگس پر اتارنے کی ناکام کوشش کی تاکہ وہاں انقلاب برپا کیا جا سکے۔ ہم نے لاؤس میں خفیہ جنگ ایک عرصے تک جاری رکھی، میو قبائل اور کرائے کے تھائی فوجیوں نے ہماری طرف سے وہاں جنگ لڑی۔ یہ تمام کام کانگریس کے علم یا اجازت کے بغیر کیے گئے۔ کوئی بیرونی رہنما اتنا ناقابل ذکر یا کوئی ملک اتنا چھوٹا نہ تھا کہ ہماری توجہ سے باہر رہتا۔ ہم نے ایک تباہ کن زہر کانگو ارسال کیا تاکہ لوممبا کو ایک ہلاکت آفرین بیماری کا انجکشن لگایا جا سکے۔ ہم نے جمہوریہ ڈومانیکا میں مقامی مخالف عناصر کی پشت پناہی کی، یہ جانتے ہوئے کہ ان کا مقصد ٹروجیلو کو قتل کرنا ہے۔ ویت نام میں ہم نے جس حکومت کے دفاع کا عہد کیا تھا اسی کا تختہ الٹنے کے لیے فوجی بغاوت میں شرکت کی اور جب پرنس ڈیم نے مزاحمت کی تو اس کو اور اس کے بھائی کو انھی جنرلوں نے قتل کر دیا جن کو ہم خود ان کی اپنی مدد اور حمایت دیے ہوئے تھے۔ کئی برسوں تک ہم فیڈرل کاسترو اور کیوبا کے دوسرے رہنماؤں کو قتل کرنے کی بار بار کوشش کرتے رہے۔ یہ منصوبے تین حکومتوں کے دور پر محیط رہے اور ان میں سی آئی اے اور مافیا کے درمیان گہرا تعاون رہا۔ (ملاحظہ کیجیے: The Intelligence Community; History, Organisation and Issues, ed, Tyrus G. Fein. پبلک ڈاکومنٹ سیریز، نیویارک ۱۹۷۷ میں فرینک چرچ کا لکھا ہوا ابتدائیہ، ص ۱۰-۱۱)

امریکہ کے ایسے شان دار اور جمہوریت نواز کارناموں کا اس کے اپنے ذمہ دار افراد کی زبانی یہ ریکارڈ امریکہ کی اس تمام مہم کے جواب کے لیے کافی ہے جو جہادی تحریکوں کے خلاف تشدد کے نام پر آج وہ کر رہا ہے اور جس کی لے میں لے نواز شریف اور بے نظیر سمیت بہت سے مسلمان اور عرب سیاست کار بھی ملا رہے ہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

مائلز کوپ لینڈ اپنی ایک دوسری کتاب میں صاف الفاظ میں اعتراف کرتا ہے کہ امریکہ کی یہ سرگرمیاں صرف ویت نام ہی میں نہیں بلکہ عرب دنیا، برعظیم پاکستان اور بھارت اور افریقہ اور لاطینی امریکہ گویا ساری دنیا پر محیط ہیں۔

خفیہ جنگ کے سی آئی اے کے ماہرین نے تیسری دنیا پر خاص توجہ دی۔ صرف ویت نام نہیں بلکہ عرب اسرائیل تنازع، بھارت پاکستان تنازع، افریقہ اور یورپ میں نسلی جھگڑے اور جنوبی امریکہ کے بعض حصوں میں ماؤ کے اثرات (ملاحظہ ہو: Without Cloak or Dagger: The Truth About the New Espionage نیویارک ۱۹۷۴، ص ۲۰۵-۲۰۶)

امریکہ کا یہ ریکارڈ بڑا گھناؤنا ہے اور ایک پوری صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا ایک تازہ ترین جائزہ نیویارک یونی ورسٹی کے مشہور عالم پروفیسر نوم چومسکی (Noam Choumsky) نے اپنی ایک مختصر کتاب The Umbrella of U.S Power مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۹ میں کیا ہے، جو پڑھنے کے لائق ہے۔ اور تازہ ترین معلومات بحوالہ واشنگٹن پوسٹ ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۹ یہ ہیں کہ نام نہاد سرد جنگ کے زمانے میں اس امریکہ نے جو آج نیوکلیر عدم پھیلاؤ کے نام پر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ختم کرنے پر تلا ہوا ہے اور جس نے ایٹمی تجربے کے باوجود بھارت پر سے اقتصادی پابندیاں اٹھا لی ہیں اور پاکستان پر جاری رکھی ہیں، دنیا کے پندرہ ممالک میں خفیہ طور پر ہزاروں ایٹمی ہتھیار استعمال کے لیے نصب کر رکھے تھے۔

امریکہ اور مغربی اقوام کی ان خون آشام شرانگیزیوں، سازشوں اور سرگرمیوں کا مقابلہ اللہ پر بھروسہ اور عوام اور صرف عوام کو اعتماد میں لے کر اور قوم کو بیدار کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔

--------------------

ہمارے ملک میں جمہوری تجربات ناکام رہے ہیں اور مارشل لا کے تجربات بھی اس سے کچھ مختلف نہیں رہے۔ حالات کو سدھارنے کے نام پر فوجی قیادتوں نے اس سے پہلے تین بار اقدام کیا اور یہ تینوں تجربے، حالات کو سدھارنے میں ناکام رہے۔ جنرل ایوب نے معاشی ترقی کا نعرہ دیا اور سرمایہ دارانہ لبرلزم کی بنیاد پر ملک کو جدیدیت (modernisation) کی سان پر چڑھا دیا۔ نتیجتاً آمرانہ حکومت، آزادیوں کی تحدید، معاشی ناہمواریوں میں اضافہ اور علاقائی منافرتوں کا طوفان امنڈ پڑا جس کے آگے ان کی مضبوط کرسی نہ ٹھہر سکی۔ انھوں نے خود اپنے بنائے ہوئے دستور کے مطابق اقتدار، اسمبلی کے اسپیکر کے بجائے جنرل یحییٰ کو سونپ دیا جو فوج کے کمانڈر ان چیف تھے اور حصول اقتدار کے لیے سخت بے چین تھے۔ جنرل یحییٰ کا دور پاکستان کے دولخت ہونے پر ایک اندوہناک انجام کو پہنچا۔ بھٹو صاحب نے بھی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے اپنے

اقتدار کا آغاز کیا اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے باوجود اپنے دور اقتدار میں ایمرجنسی کے سہارے حکومت کی۔ ان کو بھی اپنی کرسی کے مضبوط ہونے کا بہت زعم تھا مگر جلد ہی دنیا نے دیکھا کہ اس کرسی سے زیادہ کمزور شے اور کوئی نہ تھی۔ جنرل ضیاء الحق بہ ظاہر ایک عوامی احتجاجی تحریک کے پس منظر میں ۹۰ دن میں انتخاب کرانے کے دعوے کے ساتھ برسراقتدار آئے۔ انھوں نے ایوب صاحب کی لبرل سرمایہ داری اور بھٹو صاحب کے سوشلزم کے مقابلے میں اسلام کا نام لیا لیکن یہ تینوں تجربے بڑے تلخ ثابت ہوئے اور حالات کو سدھارنے میں ناکام رہے اور بالآخر عوامی احتجاج کے آگے سرنگوں ہو گئے۔

ان ناکامیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ فوجی اقدام سے کسی فوری خطرے کو تو نمٹایا جا سکتا ہے مگر اجتماعی زندگی کے گمبھیر مسائل کو فوج کسی مختصر راستے (short-cut) کے ذریعے حل نہیں کر سکتی۔ فوج کی تربیت اور تیاری خاص مقاصد کے لیے ہوتی ہے اور خاص نوعیت کی مہارت ان میں پیدا ہوتی ہے جو میدان جنگ کے لیے کارآمد اور عام زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں غیر موثر ہوتی ہے۔ فوج کا ڈسپلن جو اس کا بہترین سرمایہ ہے سول زندگی میں وہ کارفرمائی نہیں دکھا سکتا اور جو چیز میدان جنگ قوت کا سرچشمہ ہے وہی ایک جمہوری شورائی عمل میں انمل بے جوڑ ثابت ہوتا ہے۔ پھر اگر خدانخواستہ فوج کو بھی اقتدار کا چسکا لگ جائے، وہ بدعنوانی میں مبتلا ہو جائے اور سیاسی تنازعات میں گھر کر متنازع بن جائے تو وہ دفاع کی عظیم ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لائق نہیں رہتی۔ فوج کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ قومی فوج ہو اور غیر متنازع ہو، سب اس کی طرف امید سے دیکھیں، اس پر اعتماد کریں اور اس کے لیے دعاگو ہوں۔ اگر وہ بھی سیاسی جنبہ داری کا شکار ہو جائے تو پھر ملک کی آزادی اور سلامتی کا دفاع کون کرے گا۔ آج کے معاشرے کے مسائل خاص نوعیت کی تیاری اور تعلیم، مہارت اور نگاہ اور، مشورہ، جواب دہی اور احتساب مسلسل کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کے لیے مطلوبہ اصول حکمرانی کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ ان کا تعلق فوج کی کتاب عمل سے نہیں۔ یہی وجہ ہے اس صدی میں ۸۰، ۹۰ تجربات فوجی حکومت کے ہو چکے ہیں لیکن سیاست اور معیشت کے مسائل کو حل کرنے میں کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکا اور تقریباً ہر ایک ہی کے خلاف بالآخر عوامی ردعمل رونما ہوا۔ ایک مشہور مورخ اور ماہر عمرانیات لوئس ممفورڈ (Lewis Mumford) اپنی مشہور زمانہ تاریخ تہذیب کی آخری جلد The Condition of Man میں بڑے لطیف انداز میں کہتا ہے کہ

> سیاسی معاشرہ ایک ایسے کیبل (cable) کی مانند ہے جو بہت سے تاروں سے بنا ہوا ہے۔ ان مختلف تاروں کے آپس میں گتھم گتھا ہونے سے صرف اس کی طاقت ہی نہیں اس کی لچک میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیبل اپنی فطرت میں پیچیدہ ہے اور سیاسی گانٹھیں جو ہر لحہ کھولے جانے کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں اس کو اور زیادہ گمبھیر کر دیتی ہیں۔ لیکن اچھی اور درست سیاست کا ایک اساسی اصول ہے جس کی حفاظت اور احترام ہر حال میں ضروری ہے، یعنی سیاسیات کی گتھی کو کھولنے کے لیے تنگی

تلوار استعمال کرنے کی راہ کبھی اختیار نہیں کرنا چاہیے اور سکندر کا قوت کے استعمال کا یہ حربہ ایک قابل تقلید مثال ہرگز نہیں۔ کوئی بھی احمق مارشل لا کے ذریعے سیاسی طاقت کا مسئلہ حل کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے لیکن کوئی احمق ہی اس عمل کو کار حکمرانی سمجھنے کی غلطی کرے گا (ص ۱۷۵)۔

ہم اس بات کا اظہار فوجی قیادت کے ساتھ ہمدردی اور احترام کے جذبے کے تحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسائل کا حل مارشل لا اور لمبے عرصے کے لیے سیاست میں فوج کی شرکت اور مداخلت نہیں۔ اس وقت گاڑی پٹڑی سے اتر گئی ہے اور جمہوریت کے نام نہاد دوستوں کی خود غرضی، نااہلی اور حماقت کے نتیجے میں اتری ہے۔ آپ اسے دوبارہ پٹڑی پر چڑھا دیں اور پھر اس گاڑی کو اپنے نظام کار کے تحت ہی چلنے دیں۔ اسی میں قوم و ملک کی فلاح ہے اور اسی میں فوج کی بہتری اور نیک نامی۔

---

لیکن اس گاڑی کو پٹڑی پر چڑھانے کے لیے فوری طور پر چار اقدامات ضروری ہیں:

۱۔ **بے لاگ، ہمہ گیر اور شفاف احتساب**: یہ ایک طرف انصاف کے اسلامی تقاضوں کو پورا کرے اور تو دوسری طرف اس کی گرفت سے قوم کو لوٹنے والوں میں سے بلاامتیاز کوئی بھی بچ نہ سکے۔ اس احتساب کو اوپر سے شروع ہونا چاہیے اور اس کے دائرے میں سیاست دان، بیورو کریٹس، فوج، پولیس، انتظامیہ، عدلیہ، ارباب تجارت و حرفت اور علما سب کو آنا چاہیے۔ اس کے لیے فوری طور پر ایک آزاد اور بااختیار مشینری کا قیام ضروری ہے جو سپریم کورٹ کے ان سابق ججوں پر مشتمل ہو جن کی دیانت و امانت پر سب کو اعتماد ہو۔ انھیں اپنا ضابطہ کار بنانے کا خود اختیار دیا جائے اور ان کو ضروری مالی وسائل اور ایمان دار عملہ فراہم کیا جائے جو تفتیش (investigate) اور استغاثہ (prosecution) کا کام اپنے آزاد عملے سے لیں اور پھر ایک متعین وقت میں مدعا علیہ کو دفاع کا موقع دے کر معاملات کو طے کر دیں۔ روایتی قانونی عمل بڑا وقت طلب اور مجرم کے لیے نرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں اگر احتساب کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا بھی گیا تو وہ بار آور نہ ہو سکا۔ اگر صحیح افراد کے ذریعے اس کا فوری آغاز کر دیا جائے تو یہ کام چند مہینے میں اپنے مطلوبہ نتائج نکال سکتا ہے۔ اس میں اسلام کے اس اصول پر بھی عمل ہو سکتا ہے کہ جو شخص اپنے معلوم ذرائع کی سطح سے اونچا طرز زندگی اختیار کرے۔ اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے ذرائع آمدنی ثابت کرے، یعنی مدعی نہیں بلکہ مدعا علیہ پر بار ثبوت ہو۔ دنیا کے دوسرے تجربات بھی سامنے رکھے جا سکتے ہیں لیکن یہ کام اولیں اہمیت کا حامل ہے۔

۲۔ **معیشت کو دلدل سے نکالنا**: اس میں اگر ایک طرف بدعنوانی اور کرپشن پر قابو پانا ضروری ہے تو دوسری طرف ایک نئی حکمت عملی کی ضرورت ہے جو ملک کے عام آدمی کو معاشی جدوجہد میں شرکت کا موقع دے، ملک کے اپنے وسائل سے ترقی کی راہ ہموار کی جا سکے اور بیرونی قرضوں پر انحصار کو بتدریج ختم

کر کے خود انحصاری کی بنیاد پر معیشت کی تشکیل نو ہو سکے۔ اگر ہم قرضوں کی معیشت کے اس گھن چکر کو ہمت کر کے ایک بار توڑ نہیں دیتے تو ہم کبھی بھی اس غلامی سے نجات نہیں پا سکتے۔ یہ فیصلے کا لمحہ ہے اور سخت عزم کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی معیشت کو مغربی ساہوکاروں کا غلام نہیں بننے دیں گے۔ سودی نظام سے بھی چھٹکارا ضروری ہے اور قرضوں پر مبنی معاشی حکمت عملی کو بھی خیرباد کہنے کا وقت آگیا ہے۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے وہ انسانی اور مادی وسائل دیے ہیں جن کے بل بوتے پر ہم اپنی معیشت کو نہایت مضبوط اور ترقی یافتہ بنا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے نئی حکمت عملی، عوام پر اعتماد، حقائق کے بارے میں سچائی اور صداقت، کفایت شعاری اور محنت، وسائل کے اندر زندگی گزارنے کا جذبہ اور داعیہ اور قیادت کی اچھی مثال درکار ہے۔ آج جس مقام پر ہم ہیں اگر اس پر بھی یہ کڑا فیصلہ نہیں کرتے تو یہ بہت بڑا سانحہ ہو گا۔

۳- **قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کے معاملے میں، بشمول کشمیر، مکمل یکسوئی :** پاکستان کا نظریاتی اور طبعی وجود کشمیر کے بغیر نامکمل ہے۔ ہمیں تحریک آزادی کشمیر کی ہر قیمت پر مدد کرنی اور اسے کامیابی سے ہم کنار کرانا ہے۔ اس سلسلے میں بھارت سے دوستی کی حدود بالکل واضح ہو جانی چاہییں۔ کوئی تجارت، کوئی دوستی کشمیر کے مسئلے کے منصفانہ بنیادوں، اقوام متحدہ کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ایک قومی موقف ہے اور اس سے سرمو انحراف کا کسی کو حق نہیں۔ اس موقف پر قائم رہنے کے لیے جہاں معاشی استحکام ضروری ہے وہیں دفاعی صلاحیت کا تحفظ اور ترقی بھی ازبس ضروری ہیں۔ نیوکلیر پروگرام پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہم خود ایک ذمہ دار ملک کی حیثیت سے اپنی نیوکلیر صلاحیت کا استعمال کریں گے لیکن امریکہ یا کسی اور کو ہمیں ڈکٹیٹ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ امریکہ خود اپنے سینیٹ سے سی ٹی بی ٹی کی توثیق نہیں کرا سکا۔ وہ ہم سے کس منہ سے مطالبہ کرتا ہے۔ بھارت نے جو مظالم کشمیر میں روا رکھے ہیں اور جس طرح اس کی قیادت نے انتخابات کے دوران پاکستان کو ایک دشمن ملک اور پاکستان کی فوج کو ایک غنڈا فوج کے طور پر پیش کیا ہے اس نے تعلقات کو مزید کشیدہ کر دیا ہے۔ جموں اور کشمیر کے عوام نے حالیہ انتخابات کا بائیکاٹ کر کے عملاً بھارت کے خلاف استصواب منعقد کر ڈالا ہے۔ بھارت جب تک وہاں مظالم ڈھا رہا ہے اور تحریک آزادی کو ننگی طاقت کے ذریعے کچل رہا ہے، اس سے دوستی کا تصور نظریہ پاکستان اور شہداے کشمیر سے بے وفائی ہے۔ یہ ہماری قومی سلامتی پالیسی اور خارجہ پالیسی کے ناقابل تغیر نکات (constants) ہیں۔ ان پر مضبوطی سے ڈٹ جانے ہی میں ہماری سلامتی کا راز مضمر ہے۔

۴- **انتخابی نظام اور انتخابی مشینری کی اصلاح :** یہ وہ کانٹے کی بات ہے جس پر نئے نظام کی طرف مراجعت کا انحصار ہے۔ اگر انتخابی نظام کی اصلاح نہیں ہوتی تو جس طرح گذشتہ بارہ سال میں ہونے

والے چار انتخابات ملک کو صحیح قیادت نہیں دے سکے اسی طرح پانچویں انتخابات بھی نہیں دے سکتے۔ احتساب کے ذریعے گند کو چھانٹنا' ووٹروں کی فہرستوں کی تصحیح' ووٹروں کے لیے شناختی کارڈ کی پابندی' امیدواروں کے لیے انتخابی اخراجات کے سلسلے میں حقیقی حدود کا تعین اور ان کا نفاذ' آزاد انتخابی کمیشن کا قیام' امیدواروں کے لیے دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کی چھلنی کا عملی نفاذ' قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں میں اضافہ اور متناسب نمایندگی کے اصول کے مطابق' تمام یا کم از کم نصف نشستوں کا انتخاب' وہ چیزیں ہیں جن سے اس نظام کی حقیقی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ تب ہی توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک نئی صاف ستھری قیادت عوام میں سے ابھرے گی جو باگ ڈور سنبھال کر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکے گی۔

قوم کے سامنے ایک بڑا گھمبیر ایجنڈا ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی پالیسی تقریر میں جو ۷ نکات دیے ہیں وہ سب اہم ہیں لیکن ان کو اور ان کی ٹیم کو مندرجہ بالا چار نکات کو اولین اہمیت دینی چاہیے۔ وہ سارے کام نہیں کر سکتے' اگر ان چار اقدامات کے ذریعے وہ ملک کو صاف ستھری جمہوریت کی طرف بڑھنے کے لائق بنا دیتے ہیں تو یہ ایک تاریخی کارنامہ ہو گا۔ اگر وہ بے شمار چیزوں میں الجھ گئے اور ان بنیادی امور کا حق ادا نہ کر سکے تو' نیک خواہشات کے باوجود' نہ وہ قوم کو اس دلدل سے نکال سکیں گے اور نہ خود ہی اس سے نکل سکیں گے۔

ان کی پالیسی تقریر بڑی متوازن اور امید افزا تھی لیکن اس میں دو باتوں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ ایک انتخابی مشینری اور نظام کی بات اور دوسرے معیشت کو قرضوں کی غلامی سے نکال کر خود انحصاری کے راستے پر ڈالنے کا عزم۔ ہمیں توقع ہے کہ وہ اور ان کی ٹیم ان دونوں پہلوؤں پر خصوصی توجہ دیں گے۔

------------------

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ فوجی قیادت کا پہلا قدم جس کے ذریعے اس نے نواز حکومت کو برطرف کیا اور ایک عبوری نظام قائم کیا اور جنرل پرویز مشرف کی پہلی پالیسی تقریر جس میں نئی ترجیحات اور اہداف کا اعلان کیا' وہ صحیح سمت میں مثبت اقدام ہیں اور قوم کی آرزوؤں سے ہم آہنگ ہیں۔ اب تک اس اقدام اور ان وعدوں کے بعد نئی فوجی قیادت نے جہاں ایک عظیم تاریخی ذمہ داری اٹھالی ہے' وہیں وہ بڑی آزمایش اور امتحان میں مبتلا ہے۔ فوجی قیادت کو صرف اس کے اقوال کی بنیاد پر نہیں جانچا جائے گا' اصل امتحان عمل میں ہے۔ سب سے پہلا امتحان یہ ہے کہ آپ ان مقاصد کے حصول کے لیے کیسی ٹیم منتخب کرتے ہیں اور اسے کہاں تک قوم کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ پھر یہ ٹیم کس طرح اس سمت میں آگے بڑھتی ہے جسے آپ نے اختیار کیا ہے۔ وہ کہاں تک قوم کو ساتھ لے کر چلتی ہے اور کتنی جلد ایک ایسا معقول انتظام کر دیتی ہے کہ ظالم اور فاسد قیادت کیفرکردار کو پہنچے اور نئی صاف ستھری قیادت قوم کی رہنمائی کے

لیے بروئے کار آسکے۔ "عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی" اور اب آپ کے عمل ہی کو دیکھا جائے گا اور اسی کسوٹی پر آپ کی کارکردگی کو جانچا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس ہو گی۔ یہ جواب دہی دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ اگر ہم اپنی رعیت کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ بڑی کامیابی ہے اور اگر ہم اس میں ناکام ہوتے ہیں تو بلاشبہ ہمیں اس کی بڑی کڑی جواب دہی کرنا ہو گی۔

جنرل پرویز مشرف نے اپنی پالیسی تقریر سے قبل جس آیت کریمہ کو تلاوت کے لیے منتخب کیا اور آخر میں جو دعا کی وہ بڑی اہم ہے اور ایک حیثیت سے اللہ اور ملت اسلامیہ پاکستان سے ایک عہد اور میثاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس آیت کو گواہ بنایا گیا ہے، وہ یہ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (المائدہ ۵:۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اور اس دل آویز دعا پر انھوں نے بات کو ختم کیا:

یااللہ! میں اپنی قوم سے دیانت داری، ایمان داری، عزت اور وفاداری کا وعدہ کرتا ہوں۔

یااللہ! مجھے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی بصیرت عطا کر، مسائل و مشکلات کو سمجھنے اور ان کے مناسب حل کی ہمت، صلاحیت اور طاقت عطا فرما۔

یااللہ! مجھے عدل وانصاف قائم کرنے کا حوصلہ اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ہم اس دعا پر دل کی گہرائیوں سے آمین کہتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ پوری قوم اس پر آمین کہتی ہے۔

ہم اپنی ان گزارشات کو مندرجہ بالا آیت کریمہ اور اس دل آویز دعا کے ساتھ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات پر ختم کرتے ہیں جو خود ہمارے لیے پوری قوم کے لیے، اور نئی قیادت کے لیے روشنی کا مینار ہیں، اور دلوں کو بیدار اور عزائم کو مسلسل مہمیز دینے کا ذریعہ بھی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء ۴:...

۵۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط ( النساء ۴: ۵۸) مسلمانو، اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (الشوریٰ ۴۲: ۳۸ ) (مسلمان وہ ہیں) جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ ( الحج ۲۲:۴۱) یہ لوگ وہ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ ( الصف ۶۱: ۲-۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔

آج پوری قوم ایک دوراہے پر کھڑی ہے۔ آج بھی اگر ہم صحیح سمت میں سفر کا آغاز کر دیں تو اصل منزل کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں اور ایک تابناک مستقبل تعمیر کر سکتے ہیں اور اگر آج ہم نے یہ موقع ضائع کر دیا تو پھر شاید ہمیں اس کی تلافی کا موقع نہ ملے۔

---

اشارات کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھیے : www.jamaat.org